روزنامہ صدائے وطن
Daily SADA-E-WATAN



سیرت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین سند الواصلین مظہر العلوم الخفیہ والجلیہ

المخدوم السید ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ



محمد گوہر طفیل



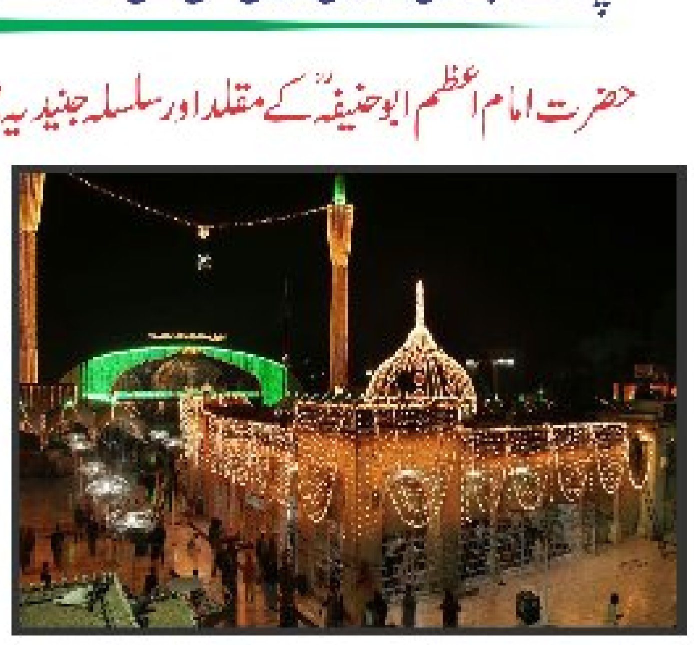
اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کیلئے اپنے فضل و کرم سے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اس سلسلے کی آخری کڑی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کو قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت کی اہم اور بھاری ذمہ داریوں میں سے ایک اہم فریضہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات عالیہ میں سے ایک اعلیٰ صفت اللہ نے قرآن پاک میں "و یزکیھم" کے الفاظ سے ذکر فرمائی یعنی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام شریعت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے قلوب بھی آلائشوں سے پاک صاف فرماتے ہیں۔ لہٰذا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیضان قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے جاری ہو گیا اور یوں ظاہری و باطنی طہارت کا یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین، اولیائے کاملین، مشائخ عظام اور جمیع بزرگان دین کے ذریعے جاری رہا اور قیامت تک رہے گا۔ ان نفوس قدسیہ میں جہاں بہت سارے نام نظر آتے ہیں ان میں ایک نام عارف ربانی سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ کا اسم گرامی خود آپؒ کی تحریر کے مطابق "علی بن عثمان جلابی یا علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی" ہے۔ آپؒ غزنی کے قریب جلاب و ہجویر کے رہنے والے تھے۔ اسی مناسبت سے کبھی آپؒ خود کو جلابی اور کبھی ہجویری تحریر فرماتے تھے۔ اب برصغیر پاک و ہند میں داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ گنج بخش کا لقب حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے آپؒ کے مزار پُرانوار پر چلہ کشی کے بعد بوقت رخصت ایک الوداعی منقبت میں پیش کیا تھا۔ آپؒ کا سلسلہ نسب جس پر آپؒ کے اکثر سوانح نگاروں نے اتفاق کیا ہے یہ ہے: حضرت علی ہجویری بن عثمان بن سید علی بن حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت سید شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید بن حضرت امام حسن بن حضرت علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی۔ آپؒ نے اپنی ولادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ آپؒ اگر تحریر فرما دیتے تو یقیناً بحث و تکرار کی گنجائش نہ رہتی۔ آپؒ نے شاید ازراہ تواضع اپنی تاریخ پیدائش کو کوئی اہم تاریخی واقعہ قرار نہ دیتے ہوئے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چونکہ آپؒ نے اپنی تاریخ ولادت نہیں لکھی اس لیے سوانح نگاروں نے بھی آپؒ کے سن ولادت کے متعلق ظن و تخمین ہی سے کام لیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؒ کی ولادت باسعادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی۔ (ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، مقالات دینی و علمی، 1: 213) دوسری روایت یہ ہے کہ ولادت پاک 400 ہجری بمطابق 1010ء میں ہوئی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9: 1909ء، پنجاب یونیورسٹی لاہور) تیسری روایت اس طرح ہے کہ آپؒ 400 ہجری میں پیدا ہوئے۔ (صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیاء، 1: 110 اعظم گڑھ 1949ء) چوتھی روایت یوں ہے کہ آپؒ کی پیدائش مبارک دسویں صدی عیسوی کے آخر یا گیارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں ہوئی۔ (آر اے نکلسن، انگریزی ترجمہ کشف المحجوب صفحہ 1 شیخ غلام علی لاہور) 400 ہجری والی روایت زیادہ معتبر ہے۔ آپؒ محض صوفی ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے سب سے بڑے جید عالم دین تھے۔ آپؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کشف المحجوب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپؒ فقہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد اور سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کے مرید تھے۔ آپؒ نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: ایک دن ملک شام تھا۔ وہاں مؤذن رسول حضرت بلالؓ کے مزار پر سویا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں مکہ میں ہوں اور حضور ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے اور ایک بوڑھے کو یوں آغوش میں لیے ہوئے ہیں جیسے پیار سے چھوٹے بچوں کو اٹھاتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور ﷺ کے پاؤں اور ہاتھوں کو چوم لیا اور حیران تھا کہ آخر یہ بوڑھا کون ہے؟ اور یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور ﷺ نے معجزانہ انداز میں میرے دل کی بات معلوم کر لی اور فرمایا کہ "یہ تمہارے اور تمہارے اہل دیار کے امام یعنی ابو حنیفہ ہیں"۔ (گنج مطلوب ترجمہ کشف المحجوب) آپؒ کا خاندان غزنی کے ممتاز اور عالم فاضل گھرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؒ کے نانا غزنی کی سرکردہ شخصیات میں شمار کیے جاتے تھے اور مالی اعتبار سے یہ مضبوط اور مستحکم خاندان تصور کیا جاتا تھا۔ آپؒ کے ماموں اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر تاج الاولیاء کے لقب سے معروف تھے۔ آپؒ کے والد گرامی چوتھی صدی ہجری کے آخر میں عباسی حکمران بہاءالدولہ کے دور میں جب کہ عباسی اقتدار کی مطلق العنانی کا دور تھا، اپنے خاندان کے ہمراہ امن و آشتی کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے اور غزنی میں آباد ہو گئے۔ آپؒ کے والد گرامی بڑے عابد اور زاہد تھے۔ شریعت اور طریقت کے مسائل سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس کے پابند بھی۔ عقیدتاً سید اور سختی سے کاربند تھے اور فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے۔ آپؒ اپنے عقیدے اور عمل میں کتاب و سنت کی پابندی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے۔ صبر و رضا، توکل و قناعت، عبودیت اور فقر آپؒ کی طبیعت کا جز تھی۔ عبادت الٰہی اور یاد الٰہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی والدہ ایک نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ ان کی شادی سید عثمان بن علیؒ سے ہوئی اور حضرت داتا گنج بخشؒ آپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ آپؒ بہت مہمان نواز تھیں۔ پردے کی پابند اور شوہر کی اطاعت اپنا فرض اولین سمجھتی تھیں۔ آپؒ کا وصال غزنی میں ہوا اور آپؒ کو آپؒ کے بھائی تاج الاولیاء کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا قد مبارک میانہ، جسم متناسب اور گٹھا ہوا تھا۔ جسم کی ہڈیاں مضبوط اور چوڑی تھیں۔ فراخ سینہ اور ہاتھ پاؤں متناسب تھے۔ چہرہ گول تھا لبا، سرخ و سفید چمکدار رنگت، کشادہ جبیں اور بال سیاہ تھے۔ بڑی اور غلافی آنکھوں پر خمار

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپؒ کے مزار پر چلہ کشی کی اور آپ کو گنج بخش کا لقب دیا۔

آپؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کشف المحجوب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، آپؒ فقہ میں

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اور سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کے مرید تھے۔





گھنی ابرو تھیں۔ ستواں ناک، درمیانے ہونٹ اور رخسار بھرے ہوئے تھے۔ چوڑے اور مضبوط شانوں پر اٹھی ہوئی گردن تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ آپؒ بڑے جاذب نظر اور پُرکشش تھے۔ آپؒ لباس کے معاملے میں کسی قسم کا تکلف نہیں برتتے تھے۔ جو مل جاتا صبر و شکر کے ساتھ اس کو زیب تن کر لیتے۔ لباس دکھاوے اور نمود و نمائش کے لئے نہیں بلکہ صرف تن ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپؒ نے غزنی کے مختلف مدارس سے اس دور کے مروجہ علوم یعنی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد علم فقہ، علم حدیث، تفسیر، علم منطق اور فلسفہ پر عبور حاصل کیا۔ اس طرح آپؒ کو علم شریعت میں پوری طرح مہارت حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد مختلف شہروں میں علوم ظاہری و باطنی کی سیر کی۔ علمی تشنگی حاصل کرنے کے لیے آپؒ نے جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی، امام ابوالعباس بن محمد الشقانی، شیخ ابوسعید ابوالخیر، خواجہ احمد مظفر بن احمد بن حمدان، ابوالعباس بن محمد، ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی الرغانی، حضرت ابو عبداللہ بن علی الداستانی، حضرت شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپؒ نے "کشف الاسرار" میں شیخ ابوالقاسم کو اپنا علم دین کا استاد لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "میرے علم دین کے استاد فرمایا کرتے تھے فقیر میں رضا ہوئی مرشد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ پس فقیر کو چاہیے کہ مرشد کی حضوری رکھے یعنی ہر وقت مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے۔ آگے مرشد کی تعریف کے ضمن میں بتایا ہے کہ اسے کس قسم کا ہونا چاہیے" ایسا نہ ہو کہ وہ خود ہی ڈوبا ہوا ہو اور اپنے مرید کو بھی لے ڈوبے۔ محمد دین فوق اپنی تصنیف "داتا گنج بخش" میں لکھتے ہیں: "حضرتؒ نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کب ہوئی، جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا تھا۔ مقدر نے آخر پھنسا دیا اور عیال کی محبت میں دل دونوں سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی کتاب "تصوف اور اسلام" میں لکھتے ہیں کہ "کیمیا الروحانی" سے معلوم ہوتا ہے کہ تقشہ آزاد رہے البتہ ایک مقام پر آپ خود یوں بیان کرتے ہیں کہ پیچھے گیارہ برس سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زحم لطیف کے تکل ہے رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ پروفیسر نکلسن ترجمہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں: میں ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین جاتا رہتا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور لطف و کمال سے مجھے نجات عطا کی۔" ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بعد صرف دوسری کا ہی ایک سال بعد انتقال ہو گیا۔ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بچپن ہی میں آپؒ کا نکاح ہو گیا تھا اور پہلی بیوی کے انتقال کے گیارہ سال بعد تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ پہلی شادی آپؒ کے والدین کی موجودگی میں ہوئی اور دوسری شادی بھی والدین کے اصرار پر ہوئی ہوگی کیونکہ دوسری بیوی کے انتقال کے بعد آپؒ نے زندگی بھر نکاح نہیں کیا۔ آپؒ سلوک کی منازل، شریعت، طریقت، معرفت الٰہی میں کامل ہو چکے تو آپؒ کے پیر و مرشد کو معلوم ہو گیا کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ ان کے فیض کی روشنی عوام تک بھی پہنچے اور وہ ان سے فیض یاب ہوں اور تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیں تاکہ ان کی ولایت کا فیض دنیا کو منور کرتا رہے اور تبلیغ دین میں کوئی جمود نہ آنے پائے۔ چنانچہ جب آپؒ بھی حصول معرفت میں عرفان کی بلندیوں تک پہنچ گئے تو آپؒ کے مرشد نے بھی آپؒ کو حکم دیا کہ تم لاہور چلے جاؤ اور وہاں اپنے علم و فضل سے توحید کی شمع روشن کرو۔ مرشد کا حکم ملتے ہی آپؒ اپنے وطن غزنی گئے اور لاہور جانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ غزنی سے لاہور تک کا سفر بہت دشوار تھا۔ اس زمانے میں سفر کی کوئی سہولت نہیں تھی۔ آپؒ بغیر کسی ساز و سامان کے پاپیادہ اپنے دو رفیقوں کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ اس ملک کی طرف جہاں کی معاشرت، تہذیب، زبان سے ناواقف تھے لیکن اپنے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپؒ شیخ احمد حماد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری کے ہمراہ اس اجنبی ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ دشوار گزار پہاڑوں پر مشتمل تھا۔ یہ تینوں بزرگ بوجہ بڑے انتہائی مشقت اٹھاتے ہوئے پہاڑی راستے کو عبور کرتے پشاور پہنچے اور پھر پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ مختلف روایات اور کتابوں کے حوالے سے آپؒ کی لاہور آمد کا سن 431ھ، 1039ء درج ہے۔ آپؒ کی لاہور آمد سے پہلے ہی اگرچہ اسلام کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ آپؒ کے آنے سے پہلے جو بزرگ یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے تھے ان کی کاوشوں سے بہت لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے مگر ہندو پروہتوں کی اجارہ داری کی وجہ سے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا جوئے شیر لانے سے بڑا کارنامہ ہے۔ آپؒ کا لاہور میں آنے کا مقصد لوگوں کو دین حق کی دعوت دینا تھا اور اسی مقصد کے لیے آپؒ اپنے وطن غزنی کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ آپؒ نے جب یہاں تبلیغ کا آغاز فرمایا تو آپؒ کے پاس جو آتا اسے اللہ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے۔ سارے دین اسلام کے حوالے سے آگاہ کرتے اور اس کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا فرماتے کہ خدا ان کو اسلام قبول کرنے کی سعادت عطا فرما۔ آپؒ کے پاس آنے والے لوگوں آپؒ کی روحانیت کے باعث دینی اور دنیاوی فیض حاصل اور آپؒ کی دعاؤں کی برکت سے کئی مریضوں کو شفاء نصیب ہونے لگی۔ سب سے پہلے جو غیر مسلم آپؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا وہ کوئی عام اور معمولی غیر مسلم نہیں تھا بلکہ ایک ایسا ہندو راجپوت تھا کہ لاہور اور اس کے گرد و نواح میں اس کا بڑا دبدبہ تھا۔ لوگ اس کو بہت نذر و نیاز دیتے تھے۔ یہ شخص دودھ بیچتا تھا اور جو اسے دودھ نہ پہنچاتے تو ظالم جادو کے ذریعے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ آپؒ نے ایک دن دیکھا کہ ایک بڑھیا ایک مٹکا سر پر اٹھائے جا رہی تھی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ دودھ ہے۔ فرمایا کہاں لے جا رہی ہو؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا کہ اگر ہم رائے راجو جوگی کو دودھ نہ دیں تو ہمارے جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بجائے خون بھر جاتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ دودھ مجھے دے دو۔ تمہارے جانور کا کچھ نہ بگڑے گا، جانور ٹھیک رہیں گے اور دودھ بھی زیادہ دیں گے۔ اس نے دودھ دے دیا اور واقعی دوسری صبح اس کے جانوروں کے دودھ میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے برتن اس کے جانوروں کے دودھ سے بھر جاتے۔ بات چلتی چلتی مشہور ہو گئی اور ادھر رائے راجو کو بھی خبر ہو گئی۔ وہ آپؒ کی اس کرامت کا سن کر سخت غضبناک ہوا اور آپؒ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ دودھ کی کرامت تو میں لے سکتا ہوں اگر کوئی اور کرامت بھی ہے تو مجھے دکھاؤ۔ آپؒ نے فرمایا کہ میرے پاس کیا ہے تو کمال ظاہر کر۔ اس نے سحر پڑھا اور ہوا میں پرواز شروع کر دی۔ آپؒ نے اپنی لکڑی کی جوتی کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس کو واپس لاؤ۔ اب آپؒ کے جوتے پرواز کرتے گئے اور فضا میں جا کر رائے راجو کے سر میں برسنے لگے اور اس کو واپس آپؒ کے قدموں میں لے آئے۔ آتے ہی آپؒ کے قدموں میں گر پڑا، توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپؒ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور اس کی روحانی و فکری تربیت فرمائی۔ آگے چل کر یہی عبداللہ شیخ ہندی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور آپؒ کے وصال کے بعد ان کے بیٹے بھی بیٹے اسی راجہ کی اولاد سے پائے گئے۔ اسی واقعہ سے لاہور میں لوگ دودھ آپؒ کی خدمت میں پیش کرتا اور آج تک یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ ملک بھر کے گوالے عرس مبارک کے موقع پر دودھ کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور آپؒ کے ایصال ثواب کے لیے دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ آپؒ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی خانقاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروائی جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل تھی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے اس محراب کی سمت کے سلسلے میں آپؒ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز آپؒ نے سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "دیکھو کعبہ شریف کس سمت ہے؟" دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ کشف المحجوب میں آپؒ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ آپؒ ایک دن شہر کے اس طرف گئے جہاں ہندوؤں کے مندر تھے۔ یہ علاقہ آج کل رنگ محل کے قریب پانی والا تالاب کے نام سے معروف ہے۔ اس زمانے میں یہاں ہندوؤں کا مندر تھا۔ جہاں بتوں کی پوجا میں ہندو مصروف رہتے تھے۔ آپؒ نے مندر کے قریب جا کر دیکھا کہ ایک ہندو ایک بت کے سامنے کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں گندم کے آٹے کی روٹی ہے جو گھی سے تلی ہوئی چوری ہے۔ آپؒ داخل ہو گئے اور بت کو مخاطب کر کے کہا "اللہ کے حکم سے چوری کھاؤ" تو وہ بت چوری کھانے لگا۔ گویا ہندو بھی وہاں موجود تھے اور ان کا پجاری بھی تھا۔ اسے دل میں افسوس ہوا کہ ہم سے ایسے واقعات سرزد نہیں ہوئے۔ اسے اپنی توہین محسوس ہوئی۔ اور اس نے چوری والے ہندو سے کہا کہ تمہارے اس طرح کرنے سے دیوتا تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ لہٰذا آج سے ہمارا تمہارا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ وہ پروہت ہندو سے ناراض ہو گیا۔ کچھ روز کے بعد وہ چوری والا ہندو آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یہ لوگ اس روز کے واقعہ سے انکار کر رہے ہیں۔ کوئی میری بات کو سچ نہیں مانتا۔ آپؒ نے فرمایا اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو اکٹھا کر کے لاؤ اور اللہ کی طاقت دیکھو۔ سب لوگ جمع ہو گئے، آپؒ نے پھر بت کو حکم دیا کہ چوری کھاؤ تو وہ چوری کھانے لگا۔ ہندو لوگ یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ آپؒ نے فرمایا اللہ ہر چیز پر قادر ہے، تم ان بے جان بتوں کی پرستش سے باز آ جاؤ۔ توبہ کرو اور اللہ کے دین کی طرف آ جاؤ۔ آپؒ کی اس کرامت سے بے شمار ہندو مسلمان ہو گئے۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ کسی کو بھی اس سے مفر نہیں۔ وہ نیک لوگ ہوں خواہ ان کا دامن گناہوں سے آلودہ ہو، وہ پیغمبر ہوں یا اولیاء اللہ ہر انسان کو اس دار فانی سے کوچ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ دن بھی آ گیا جب اس نور طریقت کو زندگی کے حقیقی سفر پر روانہ ہونا پڑا۔ کسی بھی کتاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپؒ کتنے دن بیمار رہے اور کس مہینے کی کس تاریخ کو رحلت فرمائی۔ چونکہ آپؒ کا عرس ہر سال صفر کی انیس تاریخ کو ہوتا ہے اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ آپؒ کا وصال بھی اسی مہینے ہوا ہوگا۔ پیدائش کی طرح آپؒ کے سال وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے محققین اور تذکرہ نگاروں نے آپؒ کا سال وفات 465ھ سے اتفاق کیا ہے۔ آپؒ نے اپنی زندگی کے 34 سال لاہور میں گزارے اور اسی شہر میں بھی چونتیس سال کی طاقت کے بعد اس جہان فانی کو خیرباد کہا۔ آپؒ کی نماز جنازہ آپؒ کے خلیفہ حضرت شیخ ہندیؒ نے پڑھائی۔ آپؒ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے اور آستانہ پر ہر شخص حاضری دیتا ہے۔